تراش
طویل نظم
خستہ عثمان

رب لامکاں کا صد شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اردو ادب کی کتب کو سافٹ میں تبدیل کر سکے۔ اسی صورت میں یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ مزید اس طرح کی عمدہ کتب حاصل کرنے کے لئے ہمارے گروپ میں شمولیت اختیار کریں۔

انتظامیہ برقی کتب

گروپ میں شمولیت کے لئے:

عبداللہ عتیق: 8848884 347 -92+

محمد ذوالقرنین حیدر: 3123050300-92+

اسکالر سدرہ طاہر صاحبہ: 0120123 334 -92+

اختر عُثمان
رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

نام کتاب	:	تراش
شاعر	:	اختر عثمان
سرِ ورق	:	منظر رقم / محمد مختار علی
اہتمام	:	ارشد ملک
تزئین	:	قمر الزّماں
حروف خوانی	:	رفاقت راضی
زیر نگرانی	:	سید وسیم عباس
پراجیکٹ کوآرڈینٹر	:	عادل حسین مغل
تعداد کتب	:	1000
موسمِ اشاعت	:	اپریل 2018ء
مطبع	:	فیض الاسلام پرنٹرز

Rs.180.00

رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph:051 - 5551519

ڈسٹری بیوٹرز / اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی فون 051-5531610

اُستادِ گرامی ڈاکٹر احسان اکبر

اور

منظر نقوی کے نام

تراش کا فکری وفنی ارتعاش

اقبال نے جہاں بینی(World View) کے بنیادی سوالات کو فلسفہ اور مذہب کے ساتھ اعلیٰ شاعری کے سوالات بھی قرار دیا ہے۔ جن میں کاینات میں انسان کے مرتبے کا سوال بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں بینی کے سوالات سے ہم رشتہ اجتماعی اور انفرادی سماجی جہان یا سماجی وجود کے سوالات بھی ہیں۔

اردو شاعری میں ایک جدید اسلامی جہاں بینی کے مختلف نکات اور ان کی مطابقت میں ایک جدید سماجی جہان کی تشکیل کے مسائل کو باقاعدہ موضوع بنانے کی ابتدا الطاف حسین حالی سے ہوئی، جس کا اظہار ان کی غزلوں کے اشعار اور ان کی مختصر و طویل نظموں، سب میں ہوا۔ حالی کے بعد اقبال نے ایک دوسری جدید اسلامی جہاں بینی کی سمت نمائی میں نسبتاً برتر سماجی جہان کی تعمیر کے عملی اور فکری پہلوؤں کو موضوع بناتے ہوئے اس روایت کو فنی و جمالیاتی اعتبار سے بھی بلند تر شعری مقام عطا کیا۔ اقبال کے بعد ترقی پسند شاعروں نے اقبال سے جزوی طور پر استفادہ کرتے ہوئے جہاں بینی کی اور سماجی جہان کی تشکیل اور شعری تخلیقات میں اپنی ترجیحات کے ساتھ اس جدید روایت کو آگے بڑھایا۔ یہ ساری جدید شعری روایت مجموعی طور پر علمیاتی حقیقت پسندی کی بھی اور فنی حقیقت پسندی کی بھی دوگونہ روایت ہے۔

اقبال اور ترقی پسند شاعروں کی اپنی اپنی جدید جہاں بینی اور جہاں سازی میں اشتراک کے نکات میں انسان کی تخلیقی فعالیت اور آفاقیت گیر آزادی وخود اختیاری

خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ جن کے فنی حقیقت پسندی کے منہاج میں اظہار سے حرکی شعری جمالیات کی ایک عظیم روایت وجود پذیر ہوئی۔ اس عظیم جدید روایت پر قدامت پسندوں کے بعد دوسرا شدید وارمارشل لاء (۱۹۵۸-۶۸ء) کے دوران میں ۱۹۶۰ء کے موضوعیت پسند ادبی جدیدیت پسندوں کی جانب سے ہوا مگر پاکستان میں ۱۹۶۸-۶۹ء کی ملک گیر عوامی جمہوری تحریک میں ترقی پسند شاعروں کی سینیئر نسلیں بھی دوبارہ فعال ہوگئیں اور ان کے ساتھ ترقی پسند شاعروں کی ایک نئی نسل ۱۹۷۰ء کی نسل کا بھی اضافہ ہوا۔ اس تحریک میں قدامت پسندی او رموضوعیت پسندانہ ادبی جدیدیت دونوں پسپا ہوگئیں۔

بیسویں صدی کے آٹھویں عشرے (۱۹۷۱-۸۰ء) میں عالمی سرمایہ مائکرو الیکٹرانک ٹیکنالوجی کے ساتھ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ اس نئے مرحلے کے زیرِ اثر مابعد جدیدیت پسندی کے کثیر پہلو مکتبِ فکر کا جنم ہوا، جس نے علمیاتی حقیقت پسندی اور فنی حقیقت پسندی دونوں ہی کو مسترد کر دیا اور نوعِ انسانی کی عالم گیر نجات کے ہر نظریے اور آئڈیالوجی کی صداقت سے توں انکار کیا لیکن جدید جہاں سازی کا کوئی متبادل نظریہ یا آئڈیالوجی پیش نہیں کیا، اس کے نتیجے میں ایک نئے طرز کی انفعالیت پسندی ظہور پذیر ہوئی۔ اس کے جزوی اثرات، ۱۹۹۰ء میں سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں اشتراکیت کے انہدام کے بعد پاکستانی شاعروں پر بھی نظر آتے ہیں۔

اردو میں جدید فکری اور شعری تخلیقی پس منظر کا یہ سرسری ساخا کہ اختر عثمان کی طویل نظم "تراش" کے چند موضوعاتی اور فنی و جمالیاتی پہلوؤں کی اہمیت پر توجہ دلانے کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔

اختر عثمان بیسویں صدی عیسوی کے نویں عشرے (۱۹۸۱-۹۰ء) میں متعارف ہونے والے ترقی پسند شاعروں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ مارشل لاء

(۱۹۷۷-۸۸) کے خلاف بحالیِ جمہوریت کی تحریک میں عملی طور پر بھی شریک رہا۔ اُسے ترقی پسند سماجی فکر اور شعری فن، دونوں کے جدید تقاضوں اور معیاروں سے بھی خاطر خواہ آگاہی حاصل ہے۔ اُس کی طویل نظم ''تراش'' اس آگہی کے فکری و فنی سنجیدگی اور بالیدگی کے ساتھ تخلیقی اظہار کی ایسی مثال ہے جس میں بعض نکات کے اظہار میں اُسے اردو کی ساری ترقی پسند جدید فکری اور فنی روایت میں اوّلیت کا اعزاز حاصل ہے۔

اس نظم کا فرداودی یعنی مستقبل اور ماضی کے نقطۂ نظر سے بیان کا آغاز ہوتا ہے جس کو شاعر اپنی سنجوگتا کے ہمراہ ایک فعال سامع کی حیثیت سے سن رہا ہے اور اختتام تک آتے آتے ایک نئے شعری تخلیقی مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے اور فرداودی سامعین میں بدل جاتے ہیں۔ ابتدائیے اور اختتامیے کے دو دو مصرعوں پر مشتمل بند یہ ہیں۔

ابتدائیہ:

سکوت ــــــ فرداودی کے سُونے سمے میں بھولی لوئیں بیانات بُن رہی ہیں
میں اپنی سنجوگتا کے ہمراہ ساعتِ صفر میں سب الفاظ سن رہا ہوں

اور اختتامیہ:

کلام ــــــ فرداودی کے شیتل سمے میں ہنستی لوئیں کمالات سن رہی ہیں
میں اپنی سنجوگتا کے ہمراہ ساعتِ سبز میں نئی نظم بُن رہا ہوں

اس نظم میں ایک تو نقطۂ نظر فردا یا مستقبل کی شمولیت ہے۔ گویا شاعر نوعِ انسانی کی سماجی تاریخی نشوونما کو محض ماضی و حال سے آگے بڑھ کر اس کے امکانات یا اس سے وابستہ اپنے خواب مستقبل میں بھی دیکھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ نقطۂ نظر سے منسلک دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اس طویل نظم ''تراش'' کا ذیلی عنوان ہے ''سنجوگتا کے لیے'' یہ شہ عنوان اور ذیلی عنوان دونوں بالترتیب انسانوں کی عملی فعلیت یا عملی فعلیت کے

نتیجے اور ہم رشتگی یا سماجیت کے بنیادی مثبت مظاہر کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

یہ 'سنجوگتا' سماجیت (Sociality) بھی ہو سکتی ہے اور ہم رشتگی (interrelationship) بھی۔ سماجیت کا سوال سماج کی تعریف و تشکیل کا سوال بھی ہے اور انسانی فرد کی تعریف و تشکیل کا بھی۔ انسانی فرد کے بارے میں دو تصورات ہیں ایک مجرّد فرد کا تصور، جو صدیوں سے مقبولِ عام چلا آ رہا ہے اور دوسرا سماجی فرد کا تصور جو مارکس اور مارکسیوں سے مخصوص ہے۔ پہلے مقبولِ عام تصور کے مطابق فرد اپنے انسانی فرد ہونے کے لیے سماجی عمل میں شرکت اور سماجی رشتوں کے انجذاب کا محتاج نہیں ہوتا وہ ان سے پہلے ہی یا آزادانہ طور پر انسانی فرد کی حیثیت سے دنیا میں آتا ہے۔ اور پہلے سے بنے بنائے موجود انسانی افراد نے بعد میں مل جل کر سماج تشکیل دیا۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے بھی اپنے معروف مقالے ''ادب اور زندگی'' میں مجرّد فرد کے اسی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے سماج کی تعریف میں یہ لکھا تھا:

''سماج ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو اشتراکِ عمل کے لیے یک جا ہوتے ہیں۔''

مارکس نے مجرّد فرد کے تصور کو مسترد کر کے سماجی فرد کا تصور دیا اور سماج کو افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ باہمی رشتوں کی کلیت کا اظہار قرار دیا۔ اس نے لکھا ہے کہ:

''سماج' افراد پر مشتمل نہیں ہوتا' بلکہ ان باہمی رشتوں کے مجموعے کا اظہار ہوتا ہے' جن رشتوں میں یہ افراد رہتے ہیں۔''

(بنیادیں ۱۶۱-۱۸۵۷ء)

باہمی رشتوں کی کلیت کی حیثیت سماج کی تشکیل کا اجتماعی پیداواری عمل کے دوران میں ان رشتوں کے غیر شعوری اور غیر ارادی انجذاب سے انسانی فرد کی تشکیل کا بھی آغاز ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اسی پر مارکس کے سماجی فرد کے وجود اور تصور کی اساس

ہے۔ یہ سماجی رشتے سماجی فرد کے وجود کے محض خارجی رشتے نہیں ہیں بلکہ اس کے تشکیلی رشتے ہوتے ہیں۔ جن کے بغیر انسانی فرد انسانی فرد نہیں بن پاتا۔ مارکسی ماہرِ نفسیات خاتون اینا سٹیٹسنکو نے تغیر آفریں مشترکہ عمل، بین الموضوعی رشتوں اور انفرادی موضوعیت کی سہ پہلو متحدہ جدلیات میں اس کی بہت اچھی نظریہ سازی کی ہے۔

سماجی رشتوں اور ہم رشتگیوں کی کوئی ذہنی تمثال نہیں ہوتی، یہ رشتے خیالوں کے طور پر ہی ذہن میں آتے ہیں۔ اسی باعث اختر عثمان نے سنجوگتا کی عمرانیاتی اصطلاح ہی کو، اس کی معروضیت اور موضوعیت کے ساتھ اپناتے ہوئے ایک فنی کردار میں مشخص کر دیا ہے۔ جب وہ ''میں اپنی سنجوگتا کے ہمراہ'' کے الفاظ کہتا ہے تو اس ہمراہی میں سنجوگتا اس کے انفرادی انسانی وجود کا ایک داخلی یا تشکیلی عنصر بھی ہے۔ گویا ایک سماجی فرد بطور شعری تخلیق کار واحد متکلم کے صیغے میں اظہار کر رہا ہے۔ مجرّد فرد کے بجائے سماجی فرد کے تصور کے شعور مندانہ نقطۂ نظر سے تخلیقی اظہار اردو کی ساری ترقی پسند شعری روایت میں اختر عثمان سے پہلے کہیں بھی نہیں ملتا۔ نقطۂ نظر کی اس امتیازی تخصیص کی شناخت ذرا توضیح کے ساتھ بہت ضروری تھی۔

نظم کا موضوع فطری ماحول میں نوعِ انسانی کی اپنی بقا اور نشوونما کے لیے سماجی جدو جہد ہے اور اس نشوونما کے انسانیت نواز امکانات، کو حقیقت پذیر کرنے کی فکری و عملی مساعی کی ترجمانی مختلف کینٹوز میں مختلف پہلوؤں سے کی گئی ہے۔ سماجی فرد کے جس تصور کو اس نے اپنایا ہے، موضوع کے مواد میں اس کی مطابقت کا کتنا خیال رکھا گیا ہے، اس پر بعض نکات کے حوالے سے کچھ سوالات کیے جاسکتے ہیں۔

اختر عثمان نے اپنے موادِ موضوع کو جس آئڈیالوجیکل موقف سے پیش کیا ہے، وہ ترقی پسندوں کا معروف آفاقی موقف ہے، اُسے اپنے موقف کی صداقت اور

قوت پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس موقف کا خلاصہ اس نے دو الگ الگ کینٹوز میں بیان کر دیا ہے۔ ایک کینٹو میں اجتماعی امکانات اور خواب ہیں اور دوسرے میں واحد متکلم نوعِ انسانی کے ترجمان کی حیثیت سے اپنا اثبات کرتا ہے۔ اجتماعی حوالے لے لیے آٹھویں کینٹو کا آخری حصہ دیکھیے:

"ہم ایک ہیں سب
سیہ، سفید ایک ہیں
کسی کو کسی پہ کچھ برتری نہیں ہے
سوائے تقویٰ، بجز نکوخوئی کوئی بھی برتری نہیں ہے۔"
اگر کوئی گُنگ اور کَر ہے تو موج ہائے صدائے تابندہ دیکھ سکتا ہے
بے بصر ہے تو خود سے پوچھے

اور نوعِ انسانی کے نمائندہ فرد کی ترجمانی اسی کی زبانی بارھویں کینٹو کے گیارہ ہم قافیہ و ہم ردیف مصرعوں میں ہے۔ جس کے آخری مصرعے یہ ہیں کہ:

میں زُمرہء کائنات میں سرفراز بھی ہوں
میں آدمیت کے واسطے اعتزاز بھی ہوں
میں تاج وتخت وکلاہ سے بے نیاز بھی ہوں
میں فردِ مولا صفات، بندہ نواز بھی ہوں

'فردِ مولا صفات' کا مرکب اقبال سے ماخوذ ہے۔ جس میں مذہبی محاورے میں انسانی فرد کی آفاقیت کی شناخت کی گئی ہے۔

نظم فنی حقیقت پسندی کے جدید منہاج میں کہی گئی ہے۔ جس میں کسی مظہر یا مظاہر کے جوہر کو قوانین حسن کے مطابق پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اردو میں شعری ہیئت کے

مروّج معنی میں ایک کثیر الہیئت نظم ہے۔اس میں ابتدائیے اور اختتامیے کے علاوہ چودہ کینٹوز ہیں۔چودہ میں سے چھ کینٹوز پابند ہیں۔چونکہ اس نظم کا موضوع نوعِ انسانی کا تاریخ ساز سماجی عمل ہے لہذا اس کی مطابقت میں اس میں متنوع افعال کا کثیر استعمال ہے جن میں سے انسان کے حرکی اعضا کی تغیر آفریں حرکتوں کے افعال خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔انفعالیت کو بیان کرنے والے افعال برائے نام ہیں۔

نظم میں فطری اور تہذیبی ماحول کی قدیم و جدید تمثالوں کا ایک جہان آباد نظر آتا ہے، جن میں زیادہ تر تمثالیں تشبیہاتی تمثالیں اور استعاراتی تمثالیں ہیں جن میں جدت بھی ہے اور احساسات کی کیفیت بھی۔مثال کے طور پر کچھ تشبیہاتی تمثالیں دیکھیے:

چیل کے شجر کی شاخوں پہ سبز فانوس کا تھرکنا

تندریلے کا تیز لَطمہ،

خنجروں کی سیاہ دھاروں کے یہ طمانچے

مصالحت کی لگام

تمام تاریخ۔۔۔آدمی کی عظیم وحشت کا اک ضمیمہ

صبح کا الاؤ

اُس نے مختلف مظاہر کو آئینے سے تشبیہ دی ہے۔ایک ہی نظم میں ایک ہی تشبیہ کی یہ تکرار کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

اختر عثمان کی استعاراتی تمثالیں تکنیکی اعتبار سے مختلف ہیں۔ان میں کنایاتی استعارے بھی موجود ہیں اور توضیحاتی استعارے بھی۔جیسے:

چنگاریاں اڑاتی پرچھائیاں

سنجوگتا کاشانہ

پھولوں کی میزبانی کا احساس

لیلۂ بے کنار

روشنی کے نامہ نگار

بجھی ہوئی لو جگانے والے

بحیرۂ شب میں تندی وطلاطم

ایک پولش ادبی نقاد کے بقول شاعر اپنی تخلیق کی شاعرانہ زبان میں اپنی معیاری زبان سے لازمی طور پر انحراف کرتا ہے۔ اس نوع کے بعض تخلیقی لسانی انحرافات اس نظم میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً نظم کے آغاز ہی میں وہ کوہساروں میں صدائے بازگشت کو کیسے بیان کرتا ہے۔

''یہ کوہ گنگ اور ازل سے گر ہیں

کوئی صدا ہو، کوئی سخن ہو یہ بات اٹھاتے ہیں اور پھر منہ پہ مارتے ہیں''

نظم کی زبان مجموعی طور پر فارسیت آمیز ہے مگر اس سے ہمارے ہکاری آوازوں والے اسما اور افعال (گھِر، گھڑا، دُھن، دھندے) اس سے ایسے ہم آہنگ ہو کر آئے ہیں کہ کہیں کوئی دھچکا محسوس نہیں ہوتا۔

نظم بنیادی طور پر ''فعول فعلن'' کے سیٹ کی تغریب وتقلید کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اس میں شاعر کا کمال یہ ہے شاید کوئی ایسا مقام آیا ہو جہاں فعول یا فعلن دو لفظوں میں بٹ گیا ہو۔

ہماری شعری تنقید میں اوزان کی بحثیں بہت ہیں لیکن آہنگ یا ردھم کو کہیں برائے نام ہی موضوع بنایا ہے۔ آہنگ کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس نظم کا ایک تو

معنوی آہنگ ہے جو نظم کے موضوعاتی پہلوؤں کے تنوع سے گزرتے ہوئے ساری ساختوں کو ایک ایسے کل میں ڈھالتا ہے جو بند کل نہیں ہے بلکہ اس کل کی تکمیل اصل میں ایک نئے سماجی اور شعری تخلیقی آغاز کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب وہ آخری مصرع میں یہ کہتا ہے کہ:

"میں اپنی سنجوگتا کے ہمراہ ساعتِ سبز میں نئی نظم بُن رہا ہوں"

تو یہ نظم بُننے کا تخلیقی پروسیس نئے جہاں کی تخلیق کا بھی استعارہ بن جاتا ہے۔

معنوی آہنگ کے ساتھ دوسری صورت لسانی آہنگ کی ہے۔ عروضی وزن بھی اصل میں لسانی آہنگ ہی ہوتا ہے مگر یہ معروضی اور میکانکی ہوتا ہے۔ لسانی آہنگ کی انفرادی تخلیقی صورت دراصل میکانکی کے بجائے نفسیاتی آہنگ کی ہوتی ہے۔ جو شاعر کے شخصی جذبات و احساسات کی عطا ہوتا ہے۔ موضوعات کے تغیرات کے ہمراہ شاعر کے اس نفسیاتی آہنگ میں تنوع ضرور ہے مگر بکھراو نہیں اور یہ نفسیاتی متنوع اُتار چڑھاو سے گزرتا ہوا اور ہمارے اندر سرایت کرتا ہوا آخر میں ایک متوازن و متناسب کل تشکیل دیتا ہے اور نوعِ انسانی کے خارجی و داخلی نشو و نما کے سفر میں ہمیں نئے آفاق کی تخلیق کے لیے تحرک دیتا ہے۔

اختر عثمان اپنی اس نظم میں اپنے ہم عمر شاعروں سے بہت آگے چلا ہے۔ اور جہاں ساز ترقی پسند شعر روایت کو اس نے فکری اور فنی و جمالیاتی ساری جہات میں نمو پذیر جِلا بخشی ہے۔

یوسف حسن
راولپنڈی
09-03-2018

تا خموشی داشتیم آفاق بی تشویش بود
موج این بحر از زبانِ ما تلاطم کرده است

(بیدل)

تراشں

(سنجوگتا کے لیے)

سکوت ___ فرداودی کے سُونے سمے میں بھولی لَویں بیانات بُن رہی ہیں
میں اپنی سنجوگتا کے ہمراہ ساعتِ صفر میں سب الفاظ سن رہا ہوں
وہ دونوں پرچھائیاں جو چنگاریاں اڑاتی ہیں آپ ہی اُن میں بھُن رہی ہیں
میں اُس کے پہلو سے اپنا بازو ہٹا کے سارا مکالمہ دل میں چن رہا ہوں
نجانے وہ کون سی سمّسیائیں ہیں جو اک ساتھ پاپ، پُن، گُن، اگُن رہی ہیں!
میں اُس کے شانے پہ سر ٹکائے تمام تمثیل میں تہی از سخن رہا ہوں
وہ کہہ رہی ہے کہ ساری بپتائیں، ساری آشائیں لَطمۂ لفظِ 'کُن' رہی ہیں
میں اس جہت ور مکالمے اور تبصرے پر سر ایک مستی میں دُھن رہا ہوں

یہ کوہ گنگ اور ازل سے کَر ہیں
کوئی صدا ہو،کوئی سخن ہو یہ بات اٹھاتے ہیں اور پھر منہ پہ مارتے ہیں
مجھے کہاں لے کے آ گئی ہو؟
میں بولتا ہوں تو میری آواز تم سے ٹکرا کے میری جانب ہی لوٹتی ہے
یہ چیل ۔کے بے زباں شجر جو ہوا کی سیٹی پہ جھومتے ہیں
اور اِن کی شاخوں کے سبز فانوس جن کو مانگی ہوئی دُھنوں پر تھرکتے رہنے کی لت پڑی ہے
تمھارا بُت اِن مہیب پیڑوں کی گنگ دیوی
میں اس لگن میں یہاں تک آیا کہ بولنے کا ہنر سکھاؤں
مجھ ایسا آموز گارِ گویائی تم کو صدیوں نہیں ملے گا
میں آپ گوئیدن و شنیدن کے دکھ سے گزرا ہوں
جانتا ہوں کہ تیشہ زن لاکھ سہج چھیلے رگوں کے لاوے کی یورشِ بے پناہ و بے حد سے ناشناسا ہے
سنگِ وحشت صفت کا خوگر ہے،جبر زادہ

تمھیں بنانے میں خود کو چھیلا
اور ایسا چھیلا کہ ایک نس بھی تراش و جراحی بدن میں کٹی نہیں ہے
میں آئنہ دیکھ دیکھ کر تم کو چھیلتا تھا
نسائی پیکر میں کون ہے
کوئی تو بتائے!

میں اپنے کوہِ گراں میں خوش تھی
رُتوں کی سختی میں، اُن کی سنگینیوں میں خوش تھی
یہ مہر و مَہ، دھوپ، چھاؤں، لُو اور ہواؤں کے گرم نرم جھونکے شروع سے میرے آشنا ہیں
سِلوں کے سنگیں غلاف میں تہ بہ تہ چھپی میں طیور و وحشی و دشت و در اور آسماں کو
کبھی کبھی جھانکتی تو یکدم سکوتِ سنگ ارتعاشِ کرمک سے گونج اٹھتا
وہ کرمکِ ہیچ، میرا جایا، وہ سنگ زادہ غلافِ بے درز میں سہولت سے سانس لیتا
وہ کرمکِ خُفتہ خواب میری رگوں سے سانسوں کا رزق لیتا
کبھی کبھی آسمان سے شوخ برق گرتی تو سہم جاتا
کسی درندے کے ناخنوں کی خراش سنتا تو مجھ میں کچھ اور بھی سمٹتا
میں یوں سمٹتی کہ جیسے بلبل پروں میں نَوزاد کو اماں دے
اسی طرح کتنے قرن گزرے
زمیں کی انگڑائی نے کئی بار نَو بہ نَو صورتوں میں ڈھالا

کبھی سمندر کی تہ میں پانی کے تند ریلے کا تیز لَطمہ
کبھی تصادم سے ریزگی کی شدید صورت
مگر مرا گھر
وہ خیمۂ سنگ، ابتلاؤں میں قرن ہا قرن تک سلامت رہا
میں خوش تھی

3

زمین پر اِس کی پہلی چاپ اتنی ہیبت آور تھی اُستخواں تک اکھڑ گئے تھے

رُواں رُواں رنگ، ریشہ ریشہ ادھڑ گئے تھے

ابھی یہ اُترا ہی تھا کہ معصوم فاختہ کے سلگتے سینے پہ ایک پتھر اٹھا کے مارا

لہولہو فاختہ گری تو اسے یکا یک اُدھیڑ ڈالا

وہ کچکچاتے کریہہ دانت اور بخیہ بخیہ سفیرِ اُلفت

کچر کچر کی صداے وحشت

یہ کہہ رہا ہے کہ کوہ گنگ اور ازل سے کَر ہیں

صدا کی گردن دبانے والا

زمین کا امن کھانے والا

یہ میرے جائے کے سر پہ تیشہ چلانے والا

یہ میرا خیمہ گرانے والا

کسی کا چربہ اتار کر میرا نقشِ ناقص اٹھانے والا

زباں کو قطع کر کے گویائی کا سلیقہ سکھانے والا
یہ کہہ رہا ہے کہ یہ شنیدن کے دکھ سے واقف ہے اور آموز گارِ بے عیب و بے عدو ہے
میں اِس کا پیکر ہوں اور نسائی!

دروغ کی منزلت بھی تہذیب کی عطا ہے؟

میں دہر کے بے کنار و سنگین سلسلے کی مہیب صورت کا اوّلیں دم سے آشنا ہوں
زمین پر جیسے خنجروں کی سیاہ دھاروں کے یہ طمانچے مرے لئے ہی کسے ہوئے ہیں
جہاں تہاں اِن کی تیز نوکیں طیور و وحشی کے خون سے سرخ ہو کے وحشت اُگا رہی ہیں
یہ آسماں زاد، یوں تکبّر سے سر اٹھائے ہوئے کھڑے ہیں کہ جیسے اہرام کے خدا ہوں
دراصل یہ سب فراعنہ کی پرستش خاص کو جھکے وہ طلسم گر ہیں جو بُت بنے تھے
یہ اپنے کاذب خدا پہ قربان ہونے والے شکست خوردہ، دروغ گو، بے حیا مورّخ
یہ جانتے ہیں کہ اِن پہ طاری طلسم ٹوٹا تو چیونٹیاں اِن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ دیں گی
یہ خوف و وحشت میں دم بخود ہیں، بخود خزیدہ ہیں، جانتے ہیں کہ اژدرِ وقت راہ میں ہے
یہ ایسے اہرام جن کے آثار، جن کے ریزے، کسی بھی تہذیب کی تہوں میں نہیں ملیں گے
بس ایک عبرت کی دائمی دُھن میں اِن کے ہونے کی داستاں کا سراغِ داغ آشکار ہوگا
نحیف و نرم آدمی کے فن کی بساط کیا ہے کہ بے نواؤں کو وہ نوا کا ہنر سکھائے!
یہ کوہ گنگ اور ازل سے کَر ہیں، انہیں صدا آ نکلنے کے فن سے کوئی شغف، کچھ غرض نہیں ہے

ربِ لامکاں کا صد شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اردو ادب کی کتب کو سافٹ میں تبدیل کر سکے۔ اسی صورت میں یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ مزید اس طرح کی عمدہ کتب حاصل کرنے کے لئے ہمارے گروپ میں شمولیت اختیار کریں۔

انتظامیہ برقی کتب

گروپ میں شمولیت کے لئے:

عبداللہ عتیق: 8848884 347 -92+

محمد ذوالقرنین حیدر: 3123050300-92+

اسکالر سدرہ طاہر صاحبہ: 0120123 334 -92+

یہ آدمی جو ازل سے ہونے، نہ ہونے کے درمیان لٹکا ہوا ہے اور پھر بھی حلقہ زن ہے
بھلا کوئی کاوش و تجسّس کے سیل بے انتہا کو کیسے مصالحت کی لگام ڈالے!
زمیں پہ ہونے کی سرخوشی میں ہنر کا پہلا اور آخری گام آدمی، آدمی کا رشتہ
سو یہ تراش و خراشِ پیہم وہ آئنہ ہے میں جس میں اپنے وجود کے رنگ دیکھتا ہوں
یہ میرا تیشہ ہزارہا صورتوں میں مجھ کو ہی چھیلتا، کاٹتا، بناتا ہے، توڑتا ہے
تمھیں بنانے میں خود کو چھیلا، اور ایسا چھیلا کہ ایک نس جس جگہ تھی واں سے ہلی نہیں ہے

زمین آباد ہو رہی تھی

شجر، ہجر، دشت و دَر، پرندوں کے آشیانے، وحوش کے سب ٹھکانے برباد ہو رہے تھے

اُن آشیانوں میں کچھ نہیں تھا

شجر پہ اُن کی جگہ مچانوں کی بر بریت ہبوطِ آدم کا زرد قصّہ سنا رہی تھی

کمین گاہوں میں خفتہ موذی، خلیفۃ الارض کے ستم سے عجیب لرزے میں مبتلا تھے

طیور ____ منقار زیرِ پر، زمزموں سے خالی اُجاڑ تٹ کو بہ چشمِ دُزدیدہ دیکھتے تھے

صبا کو پھولوں کی میزبانی کا کوئی احساس کیسے ہوتا

بھلا چمن ہی کہاں تھے اور جو تھے اُن کی جانب جلال و جوشش کا جیشِ صرصر لپک رہا تھا

صنوبر و سرو کی کتھائیں

وہ نکہتوں سے بھری ہوائیں نجانے کس اور جا چکی تھیں

متاعِ بحر اور گنجِ دریا خلیفۃ الارض کے خزانے میں جا چکے تھے

پہاڑ کی کوکھ بانجھ تھی، ریزہ ریزہ حسرت کی تیز نوکیں مثالِ دندانِ فیل

آنکھوں میں چبھ رہی تھیں

وہ آنکھیں جو صرف جذب و جوشِ جمال کو دیکھنے کی عادی ہیں
خود اُسی کی ہیں جس نے یہ کشش جہت بہت چاؤ سے بچھائی
وہ آفرینش کے دکھ سے واقف ہے، بربریت کے داؤ اور پیچ جانتا ہے
وہ پھر بھی چُپ ہے کہ آدمی زاد کے لہو میں وثیقہء اختیار کی کوئی پھانس اٹکی ہوئی نہ رہ جائے
آدمی کھیل کھیل ہی میں مظاہرِ خوش کلام نابود کر رہا ہے
وہ پھر بھی چپ ہے
اور ارض، قابیل زاد وحشت سے بھر چکی ہے

مرے تلاطم کی داستاں ہے سکوں سے پہلے
مرا فسانہ ہے خیمۂ نیلگوں سے پہلے
مجھے تراشا گیا تھا دنیائے دُوں سے پہلے
میں وجہِ تخلیقِ دہر ہوں، ہر فسوں سے پہلے
یہ شش جہت کیا تھی جو ہرِ خوش فزوں سے پہلے
یہاں پہ کچھ بھی نہیں تھا میرے جنوں سے پہلے
نہاد کب تھی بھلا دلِ بے ستوں سے پہلے
ہواؤں کا ماجرا نہ گزرا تھا لوں سے پہلے
خرد زبوں تھی وظیفۂ اندروں سے پہلے
ہبوط کا سلسلہ ہے تصنیفِ خوں سے پہلے
میں عین اصل جہاں، 'کہاں اور کیوں' سے پہلے
کلام سے ماورا، زبانِ زبوں سے پہلے
میں بات کرتا رہا ہوں 'یوں اور وُوں' سے پہلے

7

غلام و آقا کے خط میں تقسیم ہو کے اُلجھے ہوئے کھلونے

جو خیر و شر کے سیاہ و روشن کو اوپری دل سے مانتے ہیں

یہ آپ اپنی قبیل کے جبر ساز حیلوں سے پسنے والے

نجات خواہانِ بد شعار، ایک ایک لقمہ اتار کر مقعدیں سرِ خاک گھسنے والے

یہ ایسے تاریخ زاد ہیں جو نظامِ تفریق میں سرِ فرش چیختے ہیں

نظامِ تفریق ــــــــ جو انہی کا سیہ کرشمہ ہے

چند بونے، جو آج بھی اِن کو ہانکتے ہیں

یہ سب سرِ شام گھر کو جاتے ہوئے ہوا کی عظیم دُھن سن سکیں تو اِن پر

متاعِ آزادی و حدِ اختیار کے باب کھل سکیں گے

مگر یہ کَر ہیں

یہ بوق و طوق و دُہل، جلاجل، سلاسل و تیغ کی صداؤں کو

اپنی تاریخ مانتے ہیں

صدائے قرنا کے یہ پجاری

یہ دست بستہ جلاجل، آقاؤں کے بھکاری

عظیم تاریخ کے شکم سے یہ قبل از وقت گرنے والے لئیم لوں بھی

اِنہیں یہ منصب دیا گیا ہے کہ صرف جائے ضرور کے در پہ ایستادہ رہیں

جب اِن کے فراعنہ پیٹ کے جہنم سے ہلکے ہو جائیں یہ اُنہیں کیسۂ منقّش تھمائیں

جس میں دھنک سمان، اَن چھوئے ٹشو ہوں

یہی نہیں، حکم پر اِنہیں مقعدین تک صاف کر کے آقاؤں کو سرِ تخت لانا پڑتا ہے

اور بھی لاکھ خدمتیں ہیں

یہ ایسے ناکارہ خلوتی جن کی اصل تک اِن کے خود چُنیدہ قبیل زادوں نے مار دی ہے

یہ اُن کے پس خوردہ، اور بے پوست استخوانوں پہ پلنے والے

یہ کفش بردار، اُن کے پاپوش پر جبینوں کو ملنے والے

یہ روح کی دُھن سنیں تو آقاؤں کے لبوں سے

وہ خندۂ طنز نوچ ڈالیں

(جو اِن کے احوال پر فضاؤں میں گونجتا ہے)

وہ زہر آلود قہقہے بھی جو برتری کی سڑاندھ سے باغِ زیست کی باس کھا رہے ہیں

وہ سات سو اور یہ سات ارب ہیں

یہ سات ارب اپنی نارسائی پہ سرد سرد آہیں بھرنے والے

تمام ناکردہ کار، تقدیرِ محض کی تہ میں مرنے والے

خدا پہ الزام دھرنے والے

تمام گنگ اور تمام گر ہیں

8

زماں مکاں میں بس ایک آواز ہر سماعت میں گونجتی تھی

"تم ایک ہو سب

سیہ، سفید ایک ہیں

کسی کو کسی پہ کچھ برتری نہیں ہے

سوائے تقویٰ، بجز نکوخوئی کوئی بھی برتری نہیں ہے۔"

زماں مکاں آج بھی اگر سن سکیں تو آواز آ رہی ہے

اور اُس کی خیرِ ابد کنار آدمی کے دل پر بجائے دَف تھاپ دے رہی ہے

وہ تھاپ جو اک طبیب کا دستِ معجز آثار ڈوبتے دل پہ دے رہا ہے

وہ دائمی دھڑکنوں کا مژدہ، جہاں عمل اور نیّتیں اِک

صدائے خیر العمل جسے سن کے بھائی بھائی کی دُھن بقایاب ہو گئی ہے

وظیفۂ اُستخوان و پوست ایک ہو گیا ہے

"ہم ایک ہیں سب

سیہ، سفید ایک ہیں

کسی کو کسی پہ کچھ برتری نہیں ہے

سوائے تقویٰ، بجز نکوخوئی کوئی بھی برتری نہیں ہے۔"

اگر کوئی گُنگ اور کر ہے تو موج ہائے صدائے تابندہ دیکھ سکتا ہے

بے بصر ہے تو خود سے پوچھے

9

یہ پنچھیوں کے گُرسنہ غول اور خسیس، خونیں، خبیث بندے، سیاہ دھندے

سوادِ گلشن کے چار جانب لگے ہوئے خاردار پھندے، مہیب دندے

مرے تئیں تیز تازیانے، تمام تاریخ کے پلندے غلیظ ، گندے

بہ دامن خاک سوخت گشتم چو بر کفی دانہ ی سپندے، نیاز مندے

ھر آنکہ مونس شمردم آخر بہ راہ آمد پی گزندے، ضرر پسندے

بہ پیش گرگان دھر بودم بر آبجوی چو گوسفندے، اسیر بندے

بہ این ھمہ سر نہادہ بودم پی آن کہ شکرشکن، بہ قندے، عجب کمندے

بہ باغ ھستی برای گوشان خوش سرودم بہ طور پندے، کلام چندے

رہت بہ دشت فسانہ سرکن چو آہوے میکند زقندے، نگہ بلندے

سخن طرازی، غنانوازی، نگارسازی، بدن گدازی، یہ سنگ کاوی
وہ آئنے ہیں کہ جن میں خلّاق آپ کو آپ دیکھتا ہے
تمام تاریخ آدمی کی عظیم وحشت کا اک ضمیمہ ہے
سب علوم وفنون قرنوں کی کاوشوں سے نمو تک آئے
کوئی مہادیو راج ہو یا کوئی بھی سوراج
آخرِ کار کامناؤں کے کھیل میں سب مہادھنش دھر کی زد میں آئے
مگر سُپتر اور پُتر اب تک لہو کی آشاؤں میں امر سنکھ سُن رہے ہیں
مظاہر خوش جمال کے ساتھ آدمی کی یہ وصل یابی یونہی نہیں ہے
یہ چوب وسنگ ایسے تیشہ وخامہ سے ملے ہیں کہ قیس وآزر کا میل تمثیل میں ڈھلا ہے
یہ مانی و انیجلو کی سنگت میں روم وخیام کے ترانے
انیس وفردوسی اور ہومر کے بوق وقرنا
یہ حافظ ومیر کے فسانے متاعِ احساسِ آدمی ہیں

(11)

تمام دنیا کے صاف و سادہ سلامتی خواہ چند بونوں میں گھر گئے ہیں

کہاں گئے خیر کے نوا گر!

وہ لیلۂ بے کنار میں روشنی کے نامہ نگار کس خواب کے بلیدان چڑھ گئے ہیں

ستارہ سازانِ نیم شب، نیلمیں تحیّر بنانے والے

وہ شب چراغوں کو جی کا روغن پلانے والے

وہ سطر در سطر، چشم در چشم آس کی فصل اگانے والے

بجھی ہوئی لَو جگانے والے

کہاں گئے ہیں!

12

میں آہوے آہوانِ دشتِ حجاز بھی ہوں
متاعِ گیتی بھی اور گردُوں کا راز بھی ہوں
میں جبر گُشتہ دلوں کا سوز و گداز بھی ہوں
میں سینہء خاک میں خفی ایک راز بھی ہوں
تہِ فلک میں ہی زیستن کا جواز بھی ہوں
میں دَورِ تیرہ شبی میں اک نجم ساز بھی ہوں
میں زُمرہء کائنات میں سرفراز بھی ہوں
میں آدمیت کے واسطے اعتزاز بھی ہوں
میں ہر زمانے کا مقصد و ارتکاز بھی ہوں
میں تاج وتخت وکلاہ سے بے نیاز بھی ہوں
میں فردِ مولا صفات، بندہ نواز بھی ہوں

ابھی جوارِ خراب آباد میں کوئی باس ہے کہ میں ہوں

وہ کوئی پانینی وحمورابی وارسطو وابن سینا وابن رُشد و برونو وارشمیدس و مارکس ہو، سٹائن ہو

آج تک سب یہاں دہاں حسن بانٹتے ہیں

دلوں کو سیراب کرنے والے

ہر آنکھ میں دیپ دھرنے والے

حیات کی دُحسن پہ مرنے والے

میں اُن کے لفظوں کی مشعلوں میں نگارِ فردا کو دیکھتا ہوں

(14)

تم ایک ہو تو یہ فردِ نافرد کے سلاسل اتار پھینکو
نگارِ صبحِ عظیم غُرفے کی اوٹ میں کب سے منتظر ہے
وہ نو دمیدہ شعاعیں گھونگھٹ سے جھانکتی ہیں کہ جن کا سونا تمام دھرتی کا آئنہ ہے
یہ آئنہ دیکھ دیکھ کر خال و خد سنوارو
یہ مصحفِ صبح کا وظیفہ ہی گُن کا پہلا اور آخری گام ہے

خیالات ہیں پڑاؤ
سو چہرۂ صبح کا الاؤ ہی شب زدوں کی قیام گہ ہے
خرام گہ جس کے گرد لَو کے نئے پرانے کتھیک احساس بُن رہے ہیں
جنہیں پرندے، شجر، حجر، دشت و دَر، وحوش اور زماں، مکاں مل کے سُن رہے ہیں

سفینۂ صبح مانجھیوں کی شکن زدہ صورتوں سے کب تک خراج لیتا!
بحیرۂ شب میں اب کوئی تندی و تلاطم نہیں ہے، آب آئنہ ہے
احساس آسماں ہے
وہ روشنی کے سفیر ساحل تک آ چکے ہیں
کنار آبادِ صبح کرنوں سے بھر گیا ہے

یہ اب مرے ساتھ بولتی ہے
یہ آپ گوئیدن و شنیدن کے دکھ سے گزری ہے، جانتی ہے
مظاہرِ خوش جمال کے ساتھ آدمی کی یہ وصل یابی یونہی نہیں ہے
یہ کہہ رہی ہے مجھ ایسا آموزگارِ گویائی اس کو صدیوں نہیں ملے گا
یہ کرمکِ ہیچ، میرا جایا غلافِ بے درز میں سہولت سے سو رہا ہے

کلام ـــــــ فرداودی کے شیتل سمے میں ہنستی لویں کمالات سن رہی ہیں
میں اپنی سنجوگتا کے ہمراہ ساعتِ سبز میں نئی نظم بُن رہا ہوں

اختر عثمان کی دیگر کتابیں
اردو شاعری (مطبوعہ):
قلمرو
ہمکلام
کچھ بچا لائے ہیں
ابدتاب
ستارہ ساز
چراغ زار
زیر طبع کتابیں:
تراش خراش
(اردو تنقید)
صد پارہ
(طبع زاد فارسی غزلیں)
چنیدہ
(اردو کی پچاس کلاسیکی غزلوں کا منظوم فارسی ترجمہ)
اشک آباد
(اختر عثمان کے منتخب مرثیے)
بھجن رس
(اختر عثمان کے ہندی بھجنوں کا انتخاب)
دیوان میر فارسی
(مرتبہ: اختر عثمان)
زبان شیشہ
(عمر خیام کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ)
عالمی ادب
(دیگر زبانوں کی شاعری کا منظوم اردو ترجمہ)
Tranquil Poems
(Selected Poems of Akhtar Usman)
رویل سویل
(پوٹھواری شعری مجموعہ)
Razor Edged
(English Essays)
Rs.180/-
Romail

ربِ لامکاں کا صد شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اردو ادب کی کتب کو سافٹ میں تبدیل کر سکے۔ اسی صورت میں یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ مزید اس طرح کی عمدہ کتب حاصل کرنے کے لئے ہمارے گروپ میں شمولیت اختیار کریں۔

انتظامیہ برقی کتب

گروپ میں شمولیت کے لئے:

عبداللہ عتیق: 8848884 347 -92+

محمد ذوالقرنین حیدر: 3123050300-92+

اسکالر سدرہ طاہر صاحبہ: 0120123 334 -92+